باب دوم

فسادِ قلب کی پہلی صورت:

اللہ تعالیٰ سے تعلق بندگی کا

انقطاع اور اسکے اسباب

www.MinhajBooks.com

آج فسادِ قلب کا سب سے بڑا سبب شیطان اور نفس کا وہ ہلاکت آفریں حملہ نفسانیت و مادیت ہے۔ آج ہماری متاعِ ایمان لٹ چکی ہے مگر ہم مطمئن اور پرسکون سکرانِ غفلت میں مدہوش ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے من میں جھانکیں، ہمارا ضمیر پکارے گا کہ غلام تو بکا ہوا ہوتا ہے، جب وہ غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال لے تو حقِ غلامی اس وقت ادا ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس، جان و مال اور عزت و آبرو پر ہر شے کا اختیار اپنے آقا کو دے دے اور جب اختیارِ کلی آقا کو دے دیا تو پھر اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا پھر وہ رلائے یا ہنسائے، کھلائے یا بھوکا رکھے، عزت دے یا ذلت، آرام دے یا تکلیف، صحت دے یا بیماری وہ آقا اور مالک ہے۔ غلام کو تو کہیں حاشیہ خیال میں بھی شکایت نہ ابھرنے دینی چاہیے۔ آج ہم اس تناظر میں خود کو جانچیں اور وزن کریں، اپنے فکر و عمل اور رویہ حیات کا جائزہ لیں تو شرمندگی کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہم اللہ کی بندگی اور غلامی کا ایسا دعویٰ کرتے ہیں جس کی ہم اپنے قول و فعل سے ہر وقت تردید کرتے ہیں۔

تعلقِ بندگی کے انقطاع کے اسباب

اللہ تعالیٰ سے بندگی کٹ جانے کے دو بڑے اسباب ہیں:

۱۔ نفسانیت

۲۔ مادیت

یہ دونوں اسباب باہم متمسک ہیں۔ آج ایک طرف اللہ کی غلامی اور اس کے تقاضے اور دوسری طرف دنیا کی کششوں اور رعنائیوں کی طرف کھینچی چلی جانے والی نفس کی خواہش۔ آج مقابلہ ہے اللہ کی محبت اور دنیا کی محبت کا، اللہ کی اطاعت میں اور نفس کی اطاعت میں، اللہ کی غلامی میں اور نفس کی غلامی میں۔ ہمیں جانچا اور پرکھا جا رہا ہے کہ ہم کس طرف جاتے ہیں۔ ہم پر کس کی محبت، اطاعت اور غلامی کی گرفت مضبوط ہے اور ہم کس کے بندے ہیں۔ ہم نے اس معرکہ محبت میں شکست کھائی، ہم پر نفس کی چاہتیں غالب آ گئیں، ہم اللہ کی

محبت کے مقابلے میں نفس کی محبت میں بہہ گئے۔ اس کا کہا مانا اور خود کو اس کی غلامی میں جکڑ دیا۔ ہم اللہ کی بندگی کا دعویٰ کرتے رہے اور نفس امارہ کی عملاً غلامی کر کے اس دعوی کی عملاً تردید کرتے رہے۔ اللہ سے تعلق کے تقاضے دب گئے۔ ہم نفس کے سامنے جھکتے چلے گئے حتی کہ حقیقت میں نفس کے بندے بن گئے، اسے اپنا الٰہ بنالیا اور محض صورتاً اللہ کے بندے بنے رہے۔ نفس انسانی کی اس کیفیت کا نقشہ قرآن حکیم نے یوں کھینچا ہے۔

اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًاO

(الفرقان، ۲۵:۴۳)

(اے رسول ﷺ آپ ان کفار کے متعلق غمگین نہ ہوں) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں۔ (آپ ان کو حق پر لانے کے لیے بے تاب اور وہ حق سے گریزاں جو آپ کی بات ہی نہ سنے نہ سمجھے وہ ایمان کیا لائے گا۔)O

جس نے اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنے نفس، اس کے مرغوبات اور خواہشات کو ترجیح دی، جس نے اللہ کی محبت، اس کے ذکر اور اس کی مخلوق کی خدمت سے منہ موڑ کر دنیا کی لذتوں کو اپنایا، نفس کی اکساہٹوں پر عمل کیا، اس نے اپنی خواہش کو وہ مقام دے دیا جو اللہ کا حق تھا۔ اسلام اگر ترک دنیا نہیں تو غرق دنیا بھی نہیں۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ تم جو بھی کرو، دنیا کے جو امور بھی سرانجام دو تمہیں اللہ نہیں بھولنا چاہیے۔ اس کی محبت ہمہ وقت تم پر غالب رہے اور تم اس کے عشق کے نشے میں سرشار رہو تو تمہارا ہر عمل اطاعت محبوب بنتا چلا جائے گا۔ دنیا تمہارے لیے ممنوع نہیں بلکہ فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذَالِکَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِO

(آل عمران، ۳:۱۴)

لوگوں کیلئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کردی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں) یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے۔O

نفس کی رغبتیں، جاہ وجلال، عزت، شہرت اور منصب کی خواہشات اور محبتیں اللہ نے صرف تمہیں آزمانے کے لیے تمہارے اندر رکھ دی ہیں۔ تمہیں یہ سب کچھ دے کر وہ آزمانا چاہتا ہے تم یہ سب کچھ پا کر بھی اللہ کو یاد رکھتے ہو، اس کی محبت اپنے دل میں بسائے رکھتے ہو یا اسے بھول جاتے ہو؟ جس طرح ہماری صحت اور بیماری، حرارت اور برودت، تاریکی اور روشنی اسی لیے پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ موازنہ ہو، ہر شے کی قدر معلوم ہو اسی طرح بندے کے سامنے شہوات نفس، جاہ وجلال اور شہرت ومنصب کی کششیں بھی رکھ دی گئی ہیں اور اللہ کی محبت اور اس کے تقاضے بھی رکھ دیئے گئے ہیں تاکہ غلامی کا دعویٰ کرنے والے کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے کہ وہ کتنا خدا کا ہے اور کتنا ماسوا کا، اس کا دل کس کی محبت سے لبریز ہے اور وہ کس کی خاطر کسے چھوڑ سکتا ہے!

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ انسان کو نکاح کا حکم دیا گیا اور اس کا مقصد یہ بیان کیا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی میں سے اس کا

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا- جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

(الاعراف،۷:۱۸۹)

گویا مرد کے لیے عورت میں اور عورت کے لیے مرد میں رغبت، سکون، مودت اور محبت رکھ دی اور ساتھ ہی فرمادیا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ o جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ o

(الرعد،۱۳:۲۸)

اگر اس سکون میں مست ہوگئے تو یہ سکون ماند پڑ جائے گا۔ایک طرف وہ محبت ہے جس کا منبع ومحور زوجیت ہے اور ایک طرف وہ محبت ہے جس کا منبع ومحور عبدیت ہے، ایک طرف نسبت زوج ہے دوسری طرف نسبت آقا ہے۔ ایک طرف نسبت نفس ہے اور دوسری طرف نسبت روح ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسی نسبت غالب رہتی ہے۔ اگر نسبت الٰہی غالب رہی تو بندگی کا دعوی سچا ہے اور اگر نسبت زوجیت غالب آ گئی تو غلامی کا دعویٰ محض دعویٰ ہے جس کی تردید تمہارا اپنا عمل کر رہا ہے۔ گویا دین کا مقصد یہ ہے کہ رشتہ زوجیت اور اسکے تقاضوں کو قائم رکھتے ہوئے اللہ کی محبت کی کیفیات کو قلب وروح پر غالب رکھا جائے۔

غلبہ محبت الٰہی کے اس منتہائی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ یادِ محبوب حقیقی میں مستغرق تھے کہ اس عالم میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کیا تو آپ نے پوچھا:

من انت ؟ تو کون ہے؟

حضرت عائشہؓ حیران وششدرہ گئیں، ذرا سنبھل کر عرض کیا۔

انا عائشة میں عائشہ ہوں

ارشاد ہوا

من عائشة عائشہ کون ہے؟

حضرت عائشہؓ دوبارہ گھبرا گئیں پھر سنبھلکر عرض کیا۔

انا بنت ابی بکر میں ابوبکر کی بیٹی

ارشاد ہوا

من ابی بکر؟ ابوبکر کون؟

حضرت عائشہ نے عرض کیا

ابن ابی قحافه ابوقحافہ کا بیٹا

ارشاد ہوا

من ابی قحافه؟ ابوقحافہ کون؟

(بحوالہ: معرفت الہیہ از مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری ص:۲۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس لوٹ آئیں۔

بعض عرفاء نے اس سے آگے ایک سوال اور نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آیا کہ یہ موقع ہے کہ حضورؐ سے پوچھ لیا جائے۔

مَنْ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللهِ؟ آپ کون ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟

آپ نے کیا جواب دیا، بقول حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ:

؎ چپ کر مہر علی اتھے جائیں بولن دی

حقیقت یہ ہے کہ جب محبت جوبن پر ہو تو صرف محبوب حقیقی کی پہچان باقی رہ جاتی ہے۔ باقی سب پہچانیں بھول جاتی ہیں۔

حضور ﷺ نے یادِ محبوب میں استغراق کی کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

لِی مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَایَسْعَنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔

(مرقاۃ المفاتیح :۱،۵۷)

میرے اور میرے مولا کے درمیان جو تعلق ہے اس میں کوئی گھڑی ایسی بھی آتی ہے کہ جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ دم مار سکتا ہے اور نہ کسی نبی یا مرسل کا گزر ہو سکتا ہے۔

یہ اصولی حقیقت ہے کہ جو بھی نعمت اللہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو عطا کی ہے۔ اس نعمت کا کچھ نہ کچھ حصہ آپ کی امت کے ہر شخص کو اس کے حسب حال عطا کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

(الاحزاب،۳۳:۵۶)

اللہ اور اسکے فرشتے رسول پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (یعنی جان بوجھ کر عبادت کے طور پر درود و سلام بھیجا کرو)o

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو جو بھی نعمت دی اس میں سے ہمیں حصہ ملا، کیا اس نعمت میں سے بھی ہمیں حصہ ملے گا؟

اس سوال کا جواب اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی طرف سے دیا۔

هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًاo

(الاحزاب،۳۳:۴۳)

وہی تو ہے جو اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اسکے فرشتے بھی (دعائے مغفرت کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے (ایمان کے بعد عالم انوار میں تم کو رواں دواں لے

جائے تاکہ کسی ایک مقام میں ٹھہر جانے
سے بھی ظلمت نہ آئے) اور اللہ مومنوں پر
(آخرت میں بھی) بہت رحم فرمانے والا
ہے (وہ ان کے گناہ بخشے گا انہیں بلند مقام
عطا فرمائے گا۔O

جب یہ حضور ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ کو ملنے والی ہر نعمت سے آپ کے امتی بھی حصہ پاتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ یقین نہاں خانہ قلب میں جاگزیں کر لینا چاہیے کہ اگر وہ دنیاوی محبتوں پر اللہ کی محبت کو غالب کر لیں تو انہیں استغراق محبوب کی ان کیفیتوں سے کسی نہ کسی درجے میں ضرور حصہ ملے گا جو حضور ﷺ پر طاری ہوتی رہیں۔ انہیں وہ حلاوت، چاشنی اور کیف وسرور نصیب ہوگا کہ تمام دنیوی حلاوتیں اس کے سامنے مغلوب ہو جائیں گی۔ گویا کار جہاں اور اسکی دلنوازیاں انسان کے سامنے اس لیے آراستہ و پیراستہ کر دی گئیں کہ اسے آزمایا جائے۔ آیا وہ نسبت خالق، اور محبت خالق کو مضبوط و استوار کر کے غالب کرتا ہے یا نسبت مخلوق کو مضبوط و استوار کرتا اور اس کی محبت خالق کے مقابلے میں اپنے اوپر غالب کر لیتا ہے۔ اس حقیقت کو اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ
لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط
وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O
(الملک، ۶۷:۲)

وہی ہے جس نے موت و زندگی کو پیدا کیا
تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے
کون (تصور صالح کے ساتھ) اچھے کام
کرتا ہے اور وہی بڑا غلبہ والا ہے (اس کی
پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا، اپنی

بادشاہی میں اپنے سے ڈرنے والے کو شرمندہ نہیں کرتا اور) بڑا بخشنے والا ہے۔O

یعنی کون ہے جو اپنے عمل کو درجہ حسن سے ہمکنار کرتا ہے کون ہے جس کا عمل اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اللہ کی نظر میں حسین ہو جائے۔ عبادت اور یادِ الٰہی کے حوالے سے عمل کا حسن اور درجہ احسان وہ ہے جس کی وضاحت خود حضور ﷺ نے فرمائی:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ ، فَاِنَّهٗ يَرَاكَ O

یہ کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو (کم از کم) یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

۱۔ صحیح البخاری، ۲۔ کتاب الایمان، ۳۶: باب سوال جبریل النبیؐ عن الایمان والسلام والاحسان وعلم الساعۃ، ۱:۲۷، رقم حدیث: ۵۰

۲۔ صحیح مسلم، ۱۔ کتاب الایمان، ۱۔ باب بیان الایمان والاسلام والاحسان......، ۱:۳۷، رقم حدیث: ۱

۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ۴: ۲۲۴، رقم حدیث: ۴۶۹۵

۴۔ سنن الترمذی، ۴۱۔ کتاب الایمان، ۴۔ باب ماجاء فی وصف جبریل للنبی ﷺ الایمان والاسلام، ۵:۶، رقم حدیث: ۲۶۱۰۔

۵۔ سنن ابن ماجہ، المقدمہ، ۹۔ باب فی الایمان، ۱:۲۴، ۲۵، رقم حدیث: ۶۴،۶۳

عبادات میں احسن عمل یہی ہے۔ انسان کے سامنے دونوں راستے رکھ دیئے گئے گویا اسے کہہ دیا گیا اے میرے بندے! جتنی تکلیف تو مال کمانے اور دنیوی محبتوں کے تقاضے پورے کرنے میں اٹھاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا اتنی تکلیف اور مشقت تو میری خاطر میری محبت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے بھی اٹھاتا ہے۔

انسان کی شادی ہوتی ہے تو دلہن کو خوش رکھنے کے لیے لاکھ جتن کرنا ہے۔ گھر چلانے

کی خاطر پیسہ کمانے میں مشقت اور تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اولاد ہوتی ہے تو اس کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ ہر طرح کی کوششیں کرتا ہے۔ جھوٹ سچ بولتا ہے، ذلتیں برداشت کرتا ہے۔ اگر دوکاندار ہے تو منافع کی فکر میں ہر لمحہ گزارتا ہے۔ اسے نقصان کا خوف رہتا ہے مگر یہ انسان کی بے بصیرتی ہے کہ سب کچھ دینے والے کو بھول کر دی ہوئی چیزوں میں کھو جاتا ہے، اللہ کی محبت کو فراموش کرکے اپنی کم ظرفی کے باعث دنیا کی ادنیٰ اور فانی چیزوں پر قناعت کر لیتا ہے۔ قرآن حکیم نے تہدید آمیز انداز میں انسان کے سامنے خالق کی محبت کے تقاضے اور کسوٹی رکھ دی ہے ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ o

(التوبہ، ۹:۲۴)

آپ فرما دیں گے اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جسکے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا o

اگر یہ رشتے ناطے، یہ مال اور تجارتیں جن کے لیے تم ہر وقت فکرمند رہتے ہو تمہیں اللہ اور اسکے رسول سے زیادہ پیارے ہیں تو جان رکھو کہ تم قلباً فاسق ہو۔ تمہارے دل اللہ کی

نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ یہاں مبلغین اور احیائے دین کی جدو جہد کرنے والوں کیلئے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ یہ آیت ہر مبلغ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہی ہے کہ تمہیں اپنے مال تجارت اور اپنی دکان سے اتنی محبت ہے کہ اگر کوئی گاہک دکان پہ آ کر گالیاں بھی دے جائے تو تم دکان چھوڑ کر گھر نہیں بیٹھ جاتے، تم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اس میں ذلت ہے اس لیے میں دکان میں نہیں جاتا بلکہ ضرورت کا دباؤ اور مال کی محبت ہر ذلت و رسوائی برداشت کرنے کے بعد بھی تمہیں دکان پر جمائے رکھتی ہے۔ مگر افسوس کہ دنیوی ضروریات کے دباؤ نے تیرے لیے نفس کی ذلت واہانت کو قابل برداشت بنا دیا لیکن اللہ کی رضا کو شاید تو نے ضرورت ہی نہ سمجھا اور اگر سمجھا بھی تو اتنی شدید ضرورت نہ سمجھا کہ اس کا دباؤ تجھے دین کی خاطر صعوبتیں، مصائب اور ذلتیں برداشت کرنے کے قابل بنا دیتا۔ اب ترازو تیرے سامنے ہے۔ اپنے آپ کو تول لے کہ تو نے تبلیغ دین کا دعوی کیا لیکن دین کی خاطر تکلیف اور اذیت اٹھانے کے لیے تیرا نفس تیار نہ ہوا۔ کوئی تلخ بات، کوئی پھبتی، کوئی طنز کسی طرف سے آیا تو تو تکبر نفس کا اسیر ہو کر مصلحتوں کی وادی میں جا بسا پھر تو نے یا تو تبلیغ دین چھوڑ دی یا پھر یہ ظلم کیا کہ دین کے وہ معنٰی اور مرادیں بیان کرنے لگا جو محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے تھیں۔ اگر تو اللہ کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کرتا تو اگرچہ زندگی عسرت و مصیبت میں اور طعن و تشنیع کے تیر سہتے گزر جاتی لیکن آخرت میں تیری جدوجہد اس طرح ثمر آور ہوتی کہ:

پہنچ کے در پہ ترے کتنے معتبر ٹھہرے
اگرچہ راہ میں ہوئیں جگ ہنسائیاں کیا کیا

اگر ہم کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے ضمیر سے یہ سوال کریں کہ آیا میں اللہ سے تعلق بندگی کو قائم رکھنے اور اللہ کو منانے کے لیے دنیا کی خاطر اٹھائی جانے والی تکالیف کا دسواں حصہ تکلیف بھی اٹھا رہا ہوں؟ تو جواب نفی میں ہوگا، اس لیے کہ اللہ کی محبت کے تقاضے پورے کرنے میں ہمیں مفاد عاجلہ نظر نہیں آتا۔ اللہ نے زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں

انسان کا امتحان رکھ دیا ہے۔ ہر جگہ خالق کی محبت اور مخلوق کی محبت کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ آج ہم شادیوں پر لاکھوں روپے صرف کر دیتے ہیں، صرف اس لیے کہ سسرال والے ناراض نہ ہوں اچھا گھر مل جائے، لوگ تعریف کریں، بیٹی سکھی رہے لیکن جب اللہ کے نام پر دینے کا وقت آتا ہے تو دنیا کی محبت اور اللہ کی محبت کا ٹکراؤ ہونے لگتا ہے۔ یہاں موازنہ ہوتا ہے کہ بندے کے دل میں دنیا کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی محبت کس درجے میں ہے۔ یہاں بندہ گننے لگ جاتا ہے جو پہلے دیا وہ بھی نظر میں رکھتا ہے۔ یہ انسان کی جہالت ہے کہ جس نے سب کچھ دیا اور پھر مانگ بھی رہا ہے تو اس طرح:

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○
(الحدید، ۱۸:۵۷)

اور وہ جو اللہ کو نیک (نیتی اور خلوص سے) قرض دیتے ہیں (یعنی اللہ کی راہ میں خوشدلی سے خرچ کرتے ہیں) ان کو دوگنا (صلہ) دیا جائے گا اور (اس کے علاوہ) ان کے لیے بڑا باعزت اجر ہے ○

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس قرض کے لوٹانے میں سات سو گیا یا اس سے بھی زیادہ کا وعدہ کیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○
(البقرہ، ۲۶۱:۲)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں انکی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی سے سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔ ○

لیکن بندہ اتنا نادان ہے کہ جس ذات کے لیے اپنے وجود سمیت اپنی ہر شے وقف کر دینا چاہیے تھی اسے ہاتھ کی میل بھی دیتا ہے تو حساب لگا کر اور گن گن کر۔ حق تو یہ تھا کہ بندے کے قلب وضمیر میں اللہ کی محبت کا پلڑا بھاری ہوتا اور وہ سب سے زیادہ اللہ کی راہ پر دیتا اور اگر اپنے ضعف و نادانی کے باعث وہ یہ کرنے کے قابل نہ تھا تو کم از کم اپنے تعلق بندگی اور دعوی غلامی کی لاج ہی رکھ لی ہوتی جتنا دنیا کے لیے خرچ کرتا ہے اگر اس کے برابر اللہ کی محبت میں خرچ کرتا تو محبت کا بھرم تو رہ جاتا لیکن انسان کے بارے میں ٹھیک ہی کہا گیا کہ:

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا O (الاحزاب، ۳۳:۷۲)

بے شک وہ اپنے کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔O

تعلق بندگی کی کمزوری کے تین مرحلے

جب دنیا کی حرص اور نفس کی خواہشات انسان پر غالب آتی ہیں تو وہ تعلق بندگی کی کمزوری کے تین درجوں اور مرحلوں سے گزرتا ہے۔

پہلا مرحلہ

یہاں اللہ سے تعلق کی کیفیت وکمیت سطحی سی ہوتی ہے، انسان کے دل میں خواہشات نفس انگڑائیاں لیتی ہیں۔ حرص وطلب کے خیالات اسے ستاتے ہیں۔ خوبصورت عورت، عالیشان مکان اور باوقار سواری دیکھ کر اس پر کیفیت رشک طاری ہوتی ہے۔ یہ خیال کا مرحلہ ہے جو انسان کو آرزو کے زینے پر چڑھا دیتا ہے، تزئینات حیات کا خیال اللہ کی محبت میں خیال کے شرک کو جنم دیتا ہے۔

دوسرا مرحلہ

یہاں تعلق رہتا تو ہے مگر کالمعدوم یعنی ’’نہ ہونے کے برابر‘‘، محض ایسا تعلق جسے کٹا ہوا

کہنا حقیقت کے اعتبار سے درست نہیں ۔ یہاں آرزو طلب بن جاتی ہے انسان بیک وقت دو چیزوں کا طالب نہیں ہوسکتا ۔ یہاں اللہ کی طلب کم ہوجاتی ہے اور دنیا کی طلب بڑھ جاتی ہے کیونکہ عشق نہایت غیرت مند واقع ہوا ہے یہ کبھی ایسے دلوں میں اپنا نشیمن نہیں بناتا جو اسکے ساتھ دوسروں کی طلب کو بھی شریک کرتے ہیں، طلب کے مرحلے پر انسان باعتبارِ نفس بہت سے رذائل کا شکار ہو جاتا ہے جن میں سب سے خطرناک طلب جاہ ہے جب انسان کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگے کہ دوسرے اس کی تعظیم میں کھڑے ہوجائیں اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیں اسکے غلام بن کر رہیں اور اسکی عظمتوں کا چرچا کریں تو گویا اس کے دل سے اللہ کی تعظیم، اس کا ادب اور اس کی عظمتیں ختم ہوگئیں اور اس کا تعلق بندگی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

تیسرا مرحلہ

یہ طلب جب شدید ہوجاتی ہے تو حرص بن جاتی ہے یہ وہ کیفیت ہے جہاں تعلق بندگی کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یہاں معناً اور حقیقتاً دونوں اعتبارات سے تعلق باللہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔جب انسان دنیا اور تزئینات دنیا کا حریص ہوتا ہے تو ہمہ وقت حصول دنیا کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہتی ہے، حریص کتے کی طرح زبان لٹکتی رہتی ہے اس کیفیت کی تصویر کشی قرآن حکیم نے یوں کی ہے۔

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا فَاَتۡبَعَهُ الشَّيۡطٰنُ فَكَانَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ۝ وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰـكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ‌ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡـكَلۡبِ‌ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثْ‌ ؕ ذٰ لِكَ مَثَلُ

اور آپ انہیں اس شخص کا قصہ (بھی) سنا دیں جسے ہم نے اپنی نشانیاں دیں پھر وہ ان (کے علم و نصیحت) سے نکل گیا ور شیطان اسکے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہوگیا ۝ اور ہم چاہتے تو اسے ان (آیتوں کے علم و عمل) کے ذریعے بلند فرما دیتے لیکن وہ (خود) زمینی دنیا کی (پستی کی)

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○

(الاعراف، ۷:۱۷۵-۱۷۶)

طرف راغب ہو گیا اور اپنی خواہش کا پیرو بن گیا، تو (اب) اسکی مثال اس کتے جیسی ہے کہ اگر تو اس پر سختی کرے تو وہ زبان نکال دے یا اسے چھوڑ دے (تب بھی) زبان نکالے رہے یہ ایسے لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ یہ واقعات (لوگوں سے) بیان کریں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔○

گویا اگر اہل دین پر دنیا پرستی اور حرص دنیا غالب آ جائے تو ان کی کیفیت اور بھی عبرتناک ہو جاتی ہے، اہل دنیا ہوں یا اہل دین، اس کیفیت کے پیدا ہونے کا بنیادی سبب حرص سے جنم لینے والا فسادِ قلب ہے جو اللہ کی ذات سے تعلق ومحبت کے رشتے کاٹ دیتا ہے۔

اس حقیقت کی طرف حضرت علی المرتضیٰؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَلدُّنْيَا جِيفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ

دنیا مردار ہے اور اس کی طلب میں کھپنے والے کتے ہیں۔

۱۔ کشف الخفا، ۱:۴۹۲

۲۔ کنز العمال، ۳:۲۱۴، رقم: ۶۲۱۵

دنیا کی طلب اور حرص رکھنے والے فساد قلب کے شکار آج کے انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کی ضرورت ہے کہ جس عزت، شہرت، دولت اور جاہ وجلال کے لیے تو سرگرداں ہے، اس کے پیچھے پیچھے ذلت اٹھاتا پھرتا ہے آخر یہ چیزیں بھی تو کسی کی طالب ہیں جو بندے ان چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہیں یہ ان سے نفرت کرتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عظمتوں کو داغدار کر کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی محتاجی چھوڑ کر دنیا کی محتاجی کرتے ہیں۔ پھر اگر کسی کو آزمائش کے لیے یہ سب کچھ مل جائے تو بھی ذلیل ورسوا اور اگر نہ ملے تو بھی ذلیل ورسوا۔ اور جو بندے ان

چیزوں کی طرف پیٹھ کر کے صرف اللہ کی طرف منہ کر لیتے ہیں پھر ان چیزوں کو وہی بندے اچھے لگتے ہیں جو اللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ طالب دنیا تلاش دنیا میں گم ہوتا ہے جب کہ دنیا مولا کی تلاش میں گم ہوتی ہے اور جب بندہ طالب مولا ہو کر مولا کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو قرآن اسکے اعزاز کو آشکار کرتا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (لقمٰن، ۳۱:۲۰)	کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے سب کو تمہارے ہی کام میں لگا دیا ہے۔

گویا

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

اور یہی وہ مقام ہے جہاں طالب دنیا اور طالب مولا کی پہچان ہوتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اگر بندہ صرف اللہ کا بن جائے اور ماسوا سے غیر متوجہ ہو جائے تو مولا ساری کائنات اس کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

امام نبہانیؒ ''جامع کرامات اولیاء'' میں رقم طراز ہیں کہ طالب مولا جدھر چلتے ہیں بادل ان کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ قحط میں لوگ کہتے ہیں کہ بارش ہو جائے تو وہ کہتے ہیں سودا کرلو۔ پھر وہ سودا کرتے ہیں اور اغنیاء سے لے کر غرباء میں تقسیم کر دیتے ہیں گویا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (لقمن، ۳۱: ۲۰)

کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کو تمہارے ہی کام میں لگا دیا ہے۔

کا مفہوم یہ ہے کہ اے بندہ مولا! اللہ تعالیٰ قلم تقدیر تیرے ہاتھ میں تھما دینا چاہتا ہے۔ تو بندۂ مولا تو بن تجھے وہ مقام عطا کر دیا جائے گا کہ تو جس چیز کو کہے گا ہو جا وہ ہو جائے گی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بلخ کے سلطان تھے۔ جب آپ نے محبت الٰہی کا نشہ چکھ لیا تو تخت شاہی کو ٹھکرا کر باہر آ گئے۔ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے گدڑی سی رہے تھے، آپ کے ایک وزیر کا گزر ہوا تو اسکے دل میں خیال آیا کہ کیسا نادان ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرا کر یہاں دریا کے کنارے بیٹھا ہے۔ جب آپ پر اس کے دل کا خیال منکشف ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنی سوئی دریا میں پھینک کر مچھلیوں کو سوئی واپس لانے کا حکم دیا۔ وزیر نے بچشم سر یہ نظارہ دیکھا کہ ہزاروں مچھلیاں سونے کی سوئیاں منہ میں لیے پانی سے سر باہر نکالے سوئیاں پیش کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا صرف میری اپنی سوئی درکار ہے چنانچہ ایک مچھلی نے غوطہ لگایا اور وہ لوہے کی سوئی پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا یہ سلطنت بہتر تھی یا یہ سلطنت بہتر ہے؟ میں جب سے اللہ کا بندہ بن گیا ہوں ہر شے میری سلطنت میں دے دی گئی ہے۔

مدعا یہ ہے کہ اگر اللہ سے تعلق بندگی استوار ہے تو انسانوں کو مقام تسخیر حاصل ہو جاتا ہے اور اگر یہ تعلق مختلف مرحلوں میں کمزور پڑتا پڑتا کٹ ہی جائے تو انسان طالب دنیا بن کر ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم
اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

www.MinhajBooks.com